ڈاکٹر ارشد محمود

اسسٹنٹ پروفیسر، صدر شعبہ اُردو،

یونیورسٹی آف چکوال

نوآبادیاتی ہندوستان میں اینگلوانڈین کمیونٹی کا تہذیبی و شناختی بحران

خصوصی مطالعہ بحوالہ ناول بھوانی جنکشن(Bhowani Junction)

John Masters (1914-1983) is a prolific and much acclaimed post-colonial Anglo-Indian novelist. Bhowani junction was Written by John Masters in1954.It is set amidst the turbulence of the British withdrawal from India during the era of transfer of power. Apparently it deals with Britain's departure and the partition of India but actually it highlights the Anglo-Indian dilemma of identity crisis. Master s beautifully interweaves the dichotomy of the caste system and political agitation.
On the Eve of exodus of the British from India, the Anglo-Indians found themselves in a discriminatory situation caught between the European attitude of superiority towards Indians and Anglo-Indians alike as well as the Indian mistrust of them, due to their distantness and their western oriented culture. They were the victims of dilemma and indiscretion throughout their existence.
The present article intends to undertake the critical study of Bhowani junction and highlight the discourses surrounding the Anglo-Indians as well as their dilemma of identity.

پہچان، شناخت، تشخص ہم معنی الفاظ ہیں جس سے مراد کسی چیز یا شخص کا دوسروں سے منفرد یا ممتاز ہونا ہے۔یعنی شناخت کی خصوصیت انفرادیت ہے اور مماثلت اس کی عمومیت ہے۔ایک ہی فرد کی مختلف شناختیں ہو سکتی ہیں جیسے خاندانی، نسلی، صنفی، طبقاتی، نظریاتی، لسانی، مذہبی، قومی، تہذیبی وغیرہ۔ یہ تمام شناختیں بیک وقت روبہ عمل ہوتی ہیں اور مختلف واقعات وحالات میں ان میں سے کوئی ایک پیش منظر میں آکر باقیوں کو پس منظر میں دھکیل دیتی ہے۔ یہ شناختیں جہاں ایک طرف فردیت کی علامت ہیں تو دوسری طرف گروہ سازی کا بھی ذریعہ ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ خارجی ماحول اور خارجیت کے اندر شخصی شناخت کی شدید خواہش اور پھر دنیا کے سامنے اپنی کم مائیگی اور بے حیثیتی کا احساس فرد کی انا کو بھی پاش پاش کر دیتا ہے یوں وہ خود اعتمادی سے محروم ہو جاتا ہے اور

اس طرح پورا گروہ یا طبقہ ایک قسم کے تہذیبی یا شناختی بحران کا شکار ہو جاتا ہے۔ایسا ہی المیہ برصغیر میں اینگلوانڈین کمیونٹی کو درپیش ہوا جس کے اثرات بہت دیرپا ثابت ہوئے۔

لغت کے مطابق اینگلوانڈین صفت ذاتی ہے اور اس سے انگریز اور دیسی نسل کا مخلوط ہندوستانی مراد ہے۔یعنی اینگلوانڈینز مغربی اور ہندوستانی نسلوں کا امتزاج ہیں۔ان کی مخصوص روایات اور مختلف رنگ و روپ ہیں اور یہ برطانوی دور حکومت کی علامت بھی تصور کیے جاتے ہیں۔جب ۱۹۱۱ میں ہندوستان میں مردم شماری کا انعقاد کیا گیا تو اس وقت کے وائسرائے ہندوستان لارڈ ہارڈنگ "Lord Harding" نے باضابطہ سرکاری طور پر ان لوگوں کے لیے اینگلو انڈین اصطلاح کو قبول کر لیا جنہیں خاص طور پر روز مرہ کی گفتگو میں یوروایشین "Euroasian" کہہ کر پکارا جاتا تھا بعد ازاں ایک معروف اینگلوانڈین سر ہنری "Sir Henry Gidney" کی کاوشوں سے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۴ء میں اس کمیونٹی کے لیے تحریر کیا گیا کہ یہ ایسے یورپی النسل افراد ہیں جن کے والدین ہندوستان میں مستقلاً رہائش پذیر ہوں۔

> "European descent in the male line, whose parent were habitually resident in India" (1)

اس تعریف کی بنیاد پر بعد ازاں ہندوستان کے آئین میں جو کہ ۱۹۵۰ء میں نافذ العمل ہوا اس میں اینگلوانڈین کی تعریف یوں کی گئی:

> "An Anglo-Indian means a person .... for temporary purposes only". (2)

یعنی اینگلوانڈین سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کا والد یا اس کے نسب نامے کے لحاظ سے براہ راست مورثِ اعلیٰ یورپی نسل سے تعلق رکھتا ہو مگر وہ ہندوستان کے کسی علاقے کا رہائشی ہو اور وہ ایسے کسی مستقلاً آبائی رہائشی علاقے میں پیدا ہوا ہو نہ کہ وہاں عارضی طور پر مقیم ہوا ہو۔

اس کے بعد اس بات پر بہت زیادہ بحث و تمحیص ہوئی کہ انگریزی اس طبقے کی مادری زبان ہونا ضروری ہے و گرنہ اینگلوانڈین ہونے کا دعویٰ درست نہیں، اس اضافے کے ساتھ ۱۹۵۷ء میں مندرجہ ذیل تعریف منظور کی گئی:

> ".....an Anglo-Indian means .... habitually resident therein and..." (3)

تاریخی طور پر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اینگلوانڈینز کی افزائش نسل پرتگیزوں، ڈچ اور انگریز تاجروں اور نو آباد کاروں کی اپنی وضع کردہ حکمت عملی کا نتیجہ تھی۔ جیسا کہ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹرز جس کی ابتداء ۱۶۲۹ء میں ہوئی اس کے تحت ہر اس بچے کی پیدائش پر جس کی والدہ انڈین اور والد یورپین ہو، اسے ایک سونے کا سکہ لازمی طور پر بطور فیملی الاؤنس ادا کیا جاتا تھا (Younger C:1984) ایسے مخلوط بچوں کو "دیسی بچے "Country born" "کہا جاتا اور انہیں اینگلوانڈین کمیونٹی میں ضم کر کے برطانوی راج کے لیے ایک قسم کی حفاظتی فصیل یا بفر "Buffer" بنانے کے ساتھ ان سے استعماری حکمرانوں اور عوام کے درمیان ایک پل کا کام بھی لیا جاتا۔ پھر ان اینگلوانڈین بچوں کو برطانیہ میں تعلیم کے حصول کے لیے روانہ کیا جاتا اور ملکی سطح پر بھی ان کی تعلیم کے لیے مدراس، بنگلور، لکھنو اور دوسرے انگریز آبادی والے شہروں میں سکول کھولے گئے تاکہ انہیں پبلک سروس کے لیے اہل اور موزوں بنایا جا سکے یوں یہ اینگلوانڈین سولہویں صدی میں ہونے والی یورپی توسیع کے ہی پیداوار تھے۔ برطانوی نو آبادیاتی توسیع کے ابتدائی سالوں میں انگریزوں اور مقامی خواتین کے مابین شادی کی حوصلہ افزائی کی جاتی لیکن پھر یکسر منظر نامہ تبدیل ہو گیا۔ یہ اس وقت ہوا جب ہندوستان میں انگریزوں کے قدم مستحکم ہو گئے تو اس پالیسی کو منسوخ کر دیا گیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اب انگریزوں کو یہ خدشات لاحق ہو گئے کہ اس مخلوط طبقے سے برطانوی حکومت کو مستقبل میں خطرات پیش آ سکتے ہیں لہٰذا ان خدشات کی وجہ سے اینگلوانڈینز کو فراہم کردہ سابق سہولیات و مراعات واپس لے لی گئیں۔ انہیں فوج کے تمام رینکوں سے برخاست کر دیا گیا ان پر کمپنی کی سول، عسکری و بحری ملازمتوں کے دروازے بند کر دیے گئے۔ اینگلوانڈین کمیونٹی کے لیے یہ قوانین امتیازی قسم کے تھے کیوں کہ اس سے قبل ان سے انگریزوں کی طرح سلوک روا رکھا جاتا۔ جس کی بنا پر وہ بھی خود کو اپنے میلان طبع اور ثقافتی مماثلت کی بنیاد پر انگریز ہی سمجھتے مگر اب انہیں حکمران اشرافیہ سے الگ کر دیا گیا۔ کچھ ایسی ہی قسم کی صورتحال کے بارے میں Gaikwad تحریر کرتے ہیں:

> "These measures reduced .... social degradation." (4)

یعنی اس طرح کے اقدامات سے اینگلوانڈینز سیاسی ضعف اور سماجی تنزل کا شکار ہو گئے۔ ایسی فضا میں اینگلوانڈین خاندانوں کے لیے اپنی بقا کا سوال اٹھ کھڑا ہوا۔

انیسویں صدی تک انگریزوں نے خود کو اس طبقے سے بالکل الگ کر لیا۔ مگر دلچسپ امر یہ بھی ہے کہ سفید رنگت یعنی گوری چمڑی والوں اور دولت مندوں کو اینگلوانڈین کہا گیا جبکہ سیاہ فاموں اور غرباء کو یوروایشین "Euroasian" کا نام دیا جاتا ہے اینگلوانڈین انگریزوں کی نسل سے تھے اور برطانوی رعایا بھی، وہ خود کو نسلی تعصب سے محفوظ رکھنے کے لیے انگریز کہلاتے مگر انگریز انہیں اس قسم کی شناخت دینے سے انکاری تھے۔ نہ ہی ان اینگلوانڈینز کو اپنے رشتہ دار تسلیم کرتے تھے۔ بلکہ سماجی طور پر وہ انہیں ایسے ''مخلوط النسل "half castes" تسلیم کرتے جو کہ اخلاقی طور پر اور فہم و فراست کے حساب سے اصل انگریزوں کے بچوں اور بچیوں سے کم تر درجے کے لوگ تھے۔ اور انیسویں صدی کے اختتام تک کسی انگریز کا انڈین یا اینگلوانڈین خاتون سے شادی کرنا ایک طرح سے ممنوع یا خارج از امکان بات تھی۔

کچھ اسی قسم کے تعصبات اینگلوانڈینز کی طرف سے مقامی سیاہ رنگت والے لوگوں کے ساتھ روا رکھے گئے تھے جس کے نتیجے میں مقامی لوگوں نے بھی رد عمل کے طور پر اس طبقے سے اپنی نفرت کا اظہار کیا۔ انگریزوں کی طرف سے تو وہ پہلے ہی مطعون قرار دیئے جا چکے تھے۔ یوں ایک طرف وہ انگریز کے احساسِ برتری کا بری طرح شکار ہوئے اور دوسری طرف ان کی مغرب زدہ ثقافت اور مقامی لوگوں سے دوری کی وجہ سے مقامیوں کی بداعتمادی کا انہیں سامنا کرنا پڑا۔ یوں سماجی اور ثقافتی دونوں سطحوں پر کئی دوسرے ہندوستانیوں کے لیے وہ اجنبی اور غیر تھے۔ اگرچہ حیاتیاتی سطح پر وہ ان کے قریب بھی تھے۔ Gaikwad ہی کے الفاظ میں:

> ......mid-way between two cultural worlds, ...they really belonged..... (5)

اس المیے کا سامنا کرنے کے ساتھ ساتھ اس طبقے کو ایک اور بڑا دھچکا اس وقت لگا جب برصغیر میں آزادی کا سورج طلوع ہوا۔ انگریزوں کی ہندوستان سے رخصتی سے ماقبل بھی اگرچہ اس کمیونٹی کو ایک تکلیف دہ اور ناگوار صورتحال کا سامنا تھا مگر اب ہندوستان کی سر زمین سے انگریزوں کی اچانک اور غیر متوقع روانگی نے اس طبقے کے مسائل کو کئی گنا بڑھا دیا اور خاص طور پر شناختی بحران کی صورت حال نے شدت اختیار کر لی۔ یہ وہی المیہ ہے جس کا ذکر Eric Erikson نے اپنی کتاب "Theory of Stages of Psycho-social Delvelopment" میں "Quest for Identity" یعنی ''شناخت کی جستجو'' کے طور پر پیش کیا ہے۔ (۶)

اس قسم کی صورت حال کی وجہ سے ان کے اندر ایک دو جذبی اور گومگوئی صورت حال نے جنم لیا جس کی وجہ یہی تھی کہ یورپی لوگ انہیں کچھ یورپی خون کی آمیزش والے ہندوستانی خیال کرتے تھے جبکہ ہندوستانی انہیں کچھ ہندوستانی خون والے یورپی مانتے تھے۔ اس لیے ان کے خلاف حقیقی یا غیر حقیقی تعصبات ان کے اپنے ہی وضع کردہ دوسرے ہندوستانیوں کے خلاف تعصبات ان کی افرادی یا اجتماعی و گروہی شناخت کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ تھے اب تقسیم ہند کے بعد ہندستان میں رہ جانے والے تقریباً ڈیڑھ لاکھ اینگلوانڈینز کو بطور اقلیت بھی کچھ خطرات لاحق تھے۔ کلکتہ میں ایک سکول کے پرنسپل کے بارے میں Gist بیان کرتے ہیں:

The fact that Anglo-Indians were Indian .... she migrated to Great Britain. (7)

یعنی اس پرنسپل نے کہا کہ میرا دل انگلستان میں ہے اور اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے لیے قیام ہندوستان میں ہے۔ اسی کشمکش کا سامنا کرتے ہوئے وہ عازم انگلستان ہو گئی۔

اسی طرح کئی دوسرے اینگلوانڈینز بھی یہ خیال کرتے کہ اگر ایک طرف انگریز انہیں اپنے سے کم تر سمجھتے ہیں تو دوسری طرف ہندوستانی بھی انہیں ایسے مداخلت کار اور بے جا دخیل گردانتے ہیں جو کہ ان مقامی ہندوستانیوں کے برابر محب وطن نہیں ہیں جیسا کہ ایک بمبئی کے رہائش ہندوستانی نے شناخت کے معاملے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

Go to any Anglo-Indian home .... Royal Family. (8)

آپ کسی بھی اینگلوانڈین کے گھر میں داخل ہوں تو وہاں آپ کیا دیکھتے ہیں؟ تقریباً یکساں طور پر یعنی ہر گھر میں برطانوی شاہی خاندان کی تصویر۔ اگرچہ یہ رائے جزوی صداقت پر مبنی ہو سکتی ہے مگر اینگلوانڈینز کے بارے میں ہندوستانیوں کی سوچ کی عکاس ضرور ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اس طبقے کو ہندوستان میں مختلف اوقات میں مختلف نام دیئے گئے جیسے کہ اینگلوانڈینAnglo-Indian ، یوروایشین Euroasian ، Half-castes، چی چی، Chee-chees، Blacky whitesاور آٹھ آنہ Eight-annas وغیرہ۔ اس کمیونٹی کے حقوق کے تحفظ کے لیے آل انڈیا اینگلوانڈین ایسوسی ایشن بھی قائم کی گئی۔ جس کے مختلف ادوار میں تبدیل ہوتے ہوئے نام اس کے خط حرکت اور تغیر کی نشاندہی کرتے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد اپنا وجود قائم رکھنے والی ایسوسی ایشن یوروایشین اور

اینگلو انڈین ایشن (قائم شدہ دسمبر ۱۸۷۶) کے تتبع میں بنائی گئی۔ جسے بقول فرینک انتھونی "Frank Anthony" پہلے Anglo-Indian اور جنوری ۱۹۱۹ء میں Domiciled European Association کے نام سے موسوم کیا گیا۔ لیکن پھر اسی نے جولائی ۱۹۴۶ء میں Domiciled European کا نام ختم کرایا۔ یہ آل انڈیا اینگلو انڈین ایسوسی ایشن کو پورے ملک میں بہت عرصہ بعد تک قائم رہی جس کی شاخیں پاکستان اور میانمار میں بھی موجود تھیں۔ (۹)

اسی پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے اگر بھوانی جنکشن Bhowani Junction کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو کچھ ایسے ہی معاملات سامنے آتے ہیں اگرچہ بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو برطانوی راج کے عہد کے فکشن کی کئی خصوصیات ہیں جیسے کہ دو اقوام یا دو نسلوں کے درمیان عبور نہ ہونے والی گہری ثقافتی خلیج، انگریزوں کی مقامیوں سے شادی کے لیے نارضامندی، ہندوؤں کے بجائے مسلمانوں کو ترجیح، بنگالیوں اور مغرب سے تعلیم حاصل کر کے پلٹنے والے ہندوستانیوں کے لیے تمسخرانہ اور تضحیک آمیز رویہ وغیرہ۔ مگر ان سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ اینگلو انڈینز یا یوروایشین کردار جو ان فکشنز کا حصہ بنے ہیں وہ محض اسٹیریو ٹائپ ہیں اگرچہ انہیں جس قسم کی ناخوشگوار اور پریشان کن صورت حال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس کی پیچیدگی کو بھی سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے ایسی ہی کاوش بھوانی جنکشن میں جان ماسٹر نے کی ہے۔

بنیادی طور پر یہ ناول اینگلو انڈین کرداروں کی ذاتی شناخت کا ناول ہے۔ جس میں تاریخ اور رومان کا خوبصورت امتزاج ہے بھوانی جنکشن ۱۹۵۴ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ ناول جان ماسٹر ز نے اس عہد تلاطم خیز میں تحریر کیا جب انگریز ہندوستان کو الوداع کہہ کر اقتدار ان کے حوالے کر کے واپس جا رہے تھے۔ ایسے میں اینگلو انڈین کمیونٹی ایک خاص قسم کی کشمکش میں مبتلا نظر آتی ہے کیوں کہ ایک طرف ان کی وفاداریاں برطانوی حکمرانوں کے ساتھ ہیں جو کہ برصغیر سے رخصت ہو رہے ہیں ساتھ ہی ان کی ہمدردیاں مقامی اکثریتی آبادی کے ساتھ بھی ہیں۔ اس ناول کو مصنف نے اسی کمیونٹی کی نذر کیا ہے جس کے بیشتر کردار دہلی دکن انڈین ریلوے سسٹم کے ساتھ وابستہ ہیں۔ یوں اس ناول کی کہانی تاریخ اور رومان کے سنگم پر قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے یہی نہیں کہ جان ماسٹر ز نے اس ناول میں اینگلو انڈین کمیونٹی کے عادات و اطوار اور معمولاتِ روز و شب کو اپنے گہرے مشاہدے کی مدد سے قرطاس پر منتقل کیا ہے بلکہ ہندوستانی معاشرے میں صدیوں سے رائج ذات پات کے نظام اور دوسری تحریکوں اور عصری حالات کو بھی ناول کے صفحات میں اجاگر کیا ہے۔ مگر بنیادی طور پر یہ اس کمیونٹی کے لوگوں کی ثقافتی اور تاریخی روایات کے مابین جھولنے کی کیفیت کی عکاسی ہے یوں ان کے اذہان میں پائی جانے والی

گومگوئی اور دو جذبی کیفیت کے ساتھ ان کی گہری نفسیاتی اور ذہنی کشمکش کو بھی بیان کیا ہے کیوں کہ ایسے وقت میں وہ جس قسم کی اذیت ناک صورت حال سے گزر رہے ہیں اس صورت حال کو ہمدردی کے ساتھ مصنف نے بیان کیا ہے اور ساتھ ہی انہوں نے اس طبقے کو یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو انگریزوں سے کم تر نہ سمجھیں بلکہ اپنی قسمت اور مقدر کو خود بنانے کی کوششیں کریں۔

آج ہندوستان میں برطانوی نو آبادی یعنی ہندوستان کی آزادی سے قبل اور بعد از تقسیم حالات سے متعلق لکھے جانے والے ناولوں کی کمی ہر گز نہیں۔ ان میں مختلف تناظرات کی عکاسی بھی ملتی ہے جیسے کہ استعمار کی مخالفت، محب وطنی کے جذبات اور فرقت وطن کی پرانی یادوں کا تذکرہ وغیرہ۔ اگرچہ ان میں سے اکثر ناولوں میں قبل از نو آبادیات و مابعد نو آبادیات ہندوستان میں مقیم اینگلو انڈینز کو خصوصی اہمیت دی ہے اور انہیں مختلف حالات میں جس قسم کی تکلیف دہ اور ناگوار صورت حال سے دوچار رہنا پڑا اس کا تذکرہ بھی ملتا ہے مگر جان ماسٹر ان چند اینگلو انڈین لکھاریوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے بڑے ہی ٹھوس اور مستند طریقے سے اس کمیونٹی کی حالت زار کو اجاگر کیا ہے۔

پورا ناول ایک افسانوی قصبے ''بھوانی'' کی فضا میں رچا بسا ہے۔ ناول کے مرکزی کرداروں میں وکٹوریہ جونز "Victoria Jones" اس کا ریلوے میں ملازم خاندان، اور ایک سول سرونٹ "Patrick Taylor" جو کہ اینگلو انڈین طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ خاص طور پر ناول کی ہیروئن وکٹوریہ کی اپنی شناخت کی تلاش کی جدوجہد اس امر کی غماز ہے کہ اس دور کا اینگلو انڈین طبقہ کس قسم کی ذہنی کشمکش، تنہائی اور اذیت سے دوچار ہے۔ وکٹوریا اس بات کو سمجھتی ہے کہ جب انگریز حاکم ہندوستان کو الوداع کہہ دیں گے تو خود ان کے وجود کو بھی کئی مسائل کا سامنا ہوگا اور دوسرے لفظوں میں ان کے وجود کی معنویت خطرے میں پڑ جائے گی کیونکہ ان کا وجود بنیادی طور پر ایک منقسم وجود ہے اب تک نہ تو وہ مکمل طور پر انگریز بن چکے ہیں اور نہ ہی ہندوستانی بن سکے ہیں۔ مگر وہ ہندوستان میں رہتے ہوئے ہندوستانی ثقافت، اعتقادات ور سومات کو اپنانے کی بہت کوشش کرتی ہے۔ مگر اس کے ذہن کے کسی گوشے میں بچپن ہی سے انگریزی تہذیب اور خیالات و اعتقادات بھی جاگزیں ہیں یوں وہ ان دو انتہاؤں کے مابین معلق رہتی ہے اور دوسری طرف انگریز بھی ان اینگلو انڈین خواتین کو محض جنسی تسکین کا سامان سمجھتے ہیں ایسے میں رنجیت سنگھ جو کہ ریلوے کے افسر ہیں ان کی والدہ سردارنی "Sardarni" وکٹوریہ کو اس معاشرے میں اپنی شناخت کی آگہی کے حصول کے بارے میں ابھارتی ہے اور اسے یہ احساس دلاتی ہے کہ تمام ہندوستانی عوام برطانوی حکمرانوں کے لیے ایسے محکوم ہیں جن کے ساتھ وہ ہر قسم کا ناروا برتاؤ کر سکتے ہیں اسی

لیے وہ وکٹوریہ کے علاوہ دوسرے ہندوستانیوں کو اپنے مقام کی آگہی اور شناخت کے بارے میں اکساتی ہے اور انگریزوں کی حاکمیت کے خلاف آواز بلند کرتی ہے اور ہندوستانیوں کو ان کے حقوق یاد دلاتی ہے۔

ناول کی ابتدا اس خبر سے ہوتی ہے کہ ایک مال بردار گاڑی کو تخریب کاری کا نشانہ بنایا گیا ہے مگر اس ناول کے پلاٹ میں سب سے اہم اور مرکزی واقعہ انھی تین کرداروں سے متعلق ہے جن میں کرنل ساوج، پیٹرک ٹیلر اور وکٹوریہ جونز شامل ہیں ایسے میں وکٹوریہ جونز مسلسل اپنی شناخت کی تلاش میں سرگرداں ہے اس تلاش کے دوران وہ ان تینوں کرداروں جن میں کرنل ساوج (انگریز) پیٹرک ٹیلر (اینگلوانڈین) اور رنجیت سنگھ (ہندوستانی) ہے ان سے محبت میں گرفتار ہوتی ہے اور مختلف تجربات سے گزرتی ہے۔ اسی دوران اسے جس ذہنی اذیت اور کشمکش سے گزرنا پڑتا ہے اسے ناول نگار نے اپنے ناول میں اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اس سارے عمل کے دوران وکٹوریہ کو معلوم ہوتا ہے کہ انگریز کردار سے محبت کر کے اسے کچھ نہیں ملا، کیونکہ اس نے اسے ایک کھلونا سمجھتے ہوئے دوبار اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ جبکہ ہندوستانی کردار سے محبت کر کے وہ ذہنی تسکین کے حصول میں ناکام رہی تھی۔ اس پر یہ انکشاف ہوتا ہے کہ وہ صرف اور صرف اینگلوانڈین کردار ہی ہے جس کے ساتھ وہ نباہ کر سکتی ہے۔ وہ ہی اس کے اسٹیٹس اور برابری والا کردار ہے وہ اس کے مسائل کو سمجھ سکتا ہے اور وہ بھی اس کی کیفیات سے صحیح آگاہ ہو سکتی ہے۔ ناول میں اس حقیقت کا انکشاف اسے اور قاری کو ایک نئی راہ دکھاتا ہے اسی طرح ناول نگار وکٹوریہ کی اپنی شناخت کی بازیافت کے اس لمحے اور حقیقت کو بڑی مہارت کے ساتھ بیان کرتا ہے اور اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ یہ اینگلوانڈینز چونکہ دوغلی نسل سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا ان کی شخصیت بھی دو حصوں میں منقسم ہے لہٰذا ان کا مقام یا شناخت بھی کسی ملک کے جزو کے طور پر قائم نہیں رہ سکتی بلکہ اپنی ذاتی حیثیت میں بھی وہ اس کا دفاع بخوبی کر سکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ مصنف انہیں یہ بھی مشورہ دیتا ہے کہ وہ خود کو انگریزوں سے کم تر نہ سمجھیں بلکہ اپنی قسمت اور تقدیر کے خود خالق بنیں۔ ایسا شاید جان ماسٹر نے اس لیے کیا کہ اس دور میں یہ ایک فیشن بن چکا تھا کہ مصنفین اس طبقے کو اپنے تخلیق کردہ ادب میں صرف اور صرف منفی رنگ میں ہی پیش کرتے تھے اس بارے میں ان کا موقف یہ تھا کہ اس طبقے نے انگریزوں اور ہندوستانیوں دونوں کی منفی خصوصیات جیسے کہ انگریزوں کا غرور اور ضد جبکہ مقامیوں سے چالاکی اور عیاری کو اپنے اندر جذب کر کے ایک بہت ہی مہلک اور خطرناک آمیزش کی شکل اختیار کر لی ہے جس سے ایمپائر کے وجود کو بھی خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جان ماسٹر نے آزادی کے دہانے پر کھڑے ہندوستان میں موجود اینگلو

انڈینز کی پریشان کن صورت حال بلکہ حالت زار کو بیان کیا ہے اور خاص طور پر برطانوی دور حکومت کے آخری ایام میں ان کی سماجی حالت اور ثقافتی شناخت کے حوالے سے درپیش مسائل کو بڑی عمدگی سے قلمبند کیا ہے۔

ناول بھوانی جنکشن کے چار بڑے حصے ہیں اور اسے مزید چالیس چھوٹے ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے جس میں سے پہلے حصے میں آٹھ چھوٹے ابواب، دوسرے حصے میں اکیس چھوٹے ابواب، تیسرے حصے میں دس اور چوتھے حصے میں صرف ایک اختتامی باب ہے۔ اس ناول کے مرد کرداروں میں سب سے اہم کردار پیٹرک ٹیلر "Patrick Taylor" کا ہے جو ۳۶ برس کا کنوارہ آدمی ہے اور جسے دہلی دکن ریلوے سیکشن کی ملازمت سے برخاستگی کا نوٹس موصول ہو چکا ہے۔

ناول کے ابتدائی صفحات میں وکٹوریہ کی زبانی اینگلوانڈینز کے حوالے سے یہ سطور ہمارے سامنے آئی ہیں جس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اپنی بقا کی فکر ہے اور وہ اپنے وجود کو درپیش خطرات کے ساتھ ساتھ اپنے حقوق سے باخبر ہیں:

It was about us ....us Anglo-Indians. .... no one else was. (10)

"یہ ہمارے یعنی اینگلوانڈینز سے متعلق ہی ہے اگر ہم اپنے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں تو کوئی دوسرا ایسا نہیں کرے گا۔ اگر ہمیں خود میں دلچسپی نہیں ہے تو کسی اور کو بھی نہیں۔"

پیٹرک ٹیلر اینگلوانڈین طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ خود ظاہری طور پر ایک پراعتماد اور خود آگاہ شخص ہے مگر اس کے اندر حقیقتاً ایک غیر محفوظ شخصیت موجود ہے۔ شاید اس کی وجہ یہی ہے کہ اسے معلوم ہے کہ وہ نہ تو مکمل انگریز بن سکتا ہے اور نہ ہی مکمل ہندوستانی ہو سکتا ہے اس لیے کہ وہ ایک منقسم شخصیت ہے اگرچہ بنیادی طور پر وہ ایک سفید فام کا غرور اپنائے ہوئے ہے اور اس لیے وہ مقامی لوگوں کو "Wogs" کہہ کر مخاطب کرتا ہے یہ ایک حقارت آمیز سخت لفظ ہے جو ان لوگوں کے لیے بولا جاتا ہے جو کہ سفید فام نہیں وہ کہتا ہے:

The crew were all Wogs. ....In my mind still. (11)

"عملے کے تمام افراد "Wogs" تھے۔ وہ خود کو انڈین کہلوانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ خاص طور پر آج کل۔ لیکن میں انہیں ابھی تک ہمیشہ اسی نام سے پکارتا ہوں۔"

پھر وہ اس لفظ "Wogs" کی مزید وضاحت کچھ اس انداز سے کرتا ہے اور ساتھ ہی اینگلوانڈینز کے بارے میں یہ بتاتا ہے کہ ان کے اندر ہندوستانی خون ضرور موجود ہے مگر قلیل مقدار میں ہے اور ساتھ ہی وہ یہ کہتا ہے کہ ایک وقت تھا انہیں یورپی النسل کہا جاتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ اپنا تعلق حاکموں سے جوڑتا ہے:

Perhaps I ought to say .... Indian blood-not much, of course. (12)

''شاید مجھے کہنا چاہیے کہ Wogs کا لفظ ہندوستانیوں کے لیے اور ہے جب میں 'ہم' یا 'ہمارے' کہتا ہوں تو اس سے میری مراد اینگلوانڈینز ہوتی ہے۔ بعض اوقات ہمیں یورپین سکونتی کہا جاتا تھا۔ ہم میں سے اکثر تھوڑا ہندوستانی خون اپنے اندر رکھتے ہیں جو کہ بلاشبہ زیادہ نہیں۔''

پیٹرک ان وجوہات کی نشاندہی بھی کرتا ہے جن کی وجہ سے مقامی لوگ اینگلوانڈینز سے نفرت کرتے ہیں:

We Anglo-Indians .... superior to them. (13)

''ہم اینگلوانڈینز مقامیوں کی سطح پر اتر ناپسند نہیں کرتے۔ جبکہ ہندوستانی ہمیں خود سے برتر ہونے کی بنا پر نفرت کرتے ہیں۔''

پیٹرک Patrick چونکہ اس طبقے کا ایک نمائندہ کردار ہے جو کہ دو جذبی اور گومگوئی کیفیت کا شکار ہونے کے ساتھ دو انتہاؤں کے درمیان معلق ہے۔ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے اس متاثرہ کمیونٹی کو معاشرے میں درپیش اصل المیے کو یوں اجاگر کرتا ہے:

We couldn't go Home.. leave us to the Wogs. (14)

''ہم گھر نہیں جا سکتے۔ ہم انگریز اس لیے نہیں بن سکے کیونکہ ہم آدھے ہندوستانی تھے۔ ہم ہندوستانی اس لیے نہیں بن سکے کہ ہم آدھے انگریز تھے۔ ہم صرف وہیں قیام کر سکتے تھے جہاں ہم تھے۔ اور وہی کچھ تھے جو کچھ ہم تھے۔ انگریز کسی بھی وقت اب روانہ ہو جائیں گے اور ہمیں ان مقامیوں کے پاس چھوڑ جائیں گے۔''

یہ ایسے خدشات تھے جن کا خطرہ اس کمیونٹی کو ایسے وقت میں شدت سے محسوس ہوا جب ایمپائر روبہ زوال ہوئی اور واضح طور پر نظر آنے لگا کہ اب سامراجی حکومت کے دن گنے جا چکے ہیں اور ہندوستان کے لیے آزادی کی منزل بہت قریب آ چکی ہے۔ اینگلوانڈینز نے فرنگی استعماری حکومت کے قیام اور اس کے استحکام کے لیے موثر کردار ادا کیا تھا۔ مگر اب صورتحال تبدیل ہو چکی تھی اور اب ان کی ہمدردیاں بھی تقسیم ہو چکی تھیں ان کے

لیے یہ واقعی مشکل وقت تھا کیوں کہ ان کے اندر عدم تحفظ کا احساس ہر گزرتے دن کے ساتھ شدید تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ پیٹرک بھی ہمیں بتاتا ہے کہ ریلوے میں افسران اور ملازمین کی غالب اکثریت اینگلو انڈین طبقے سے ہی تھی مگر ۱۹۴۷ء کے بعد صورت حال تبدیل ہو گئی۔ اس بارے میں وہ بتاتا ہے:

We (Anglo-Indian) used to .... I knew him quite well. (15)

''ہم (اینگلو انڈینز) مال گاڑیوں کو بھی چلاتے تھے۔ لیکن جب سے انہوں (ہندوستانیوں) نے غلبہ حاصل کیا۔ تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہمیں ایک اور ملازمت سے باہر دھکیل رہے تھے۔ ایک ڈرائیور کے ٹکڑے پر کھڑے ہو کر ہاتھ صاف کر رہا تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو منہ پھیر لیا۔ وہ نہ ہی مسکرایا اور نہ ہی ہاتھ ہلایا۔ حالانکہ وہ میرا اچھا شناسا تھا۔

اس قسم کے ناآشنائی والے رویے سے ظاہر ہوتا تھا کہ ہندوستانی ان اینگلو انڈینز کو کس قسم کی نظروں سے دیکھتے تھے اور ان کے دل میں ان کے لیے کتنا احترام اور کتنی محبت موجود تھی اس رویے کی وجہ صاف ظاہر تھی۔ استعماری حکومت کے عروج کے دنوں میں یہی اینگلو انڈینز اپنا شجرہ نسب انگریزوں کے ساتھ جوڑتے تھے اور ان محکوموں کو اپنے سے کم تر سمجھتے تھے۔ آج مقامی لوگ اس رویے کا بدلہ چکا رہے تھے۔ اس بات کی وضاحت بھی پیٹرک نے ناول کے اندر کر دی ہے کہ مقامی لوگ ان سے کیوں نفرت کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ان مقامیوں سے برتر سمجھتے تھے اور وہ ان مقامیوں کی سطح تک اترنا بھی نہیں چاہتے تھے۔

یہ احساس برتری ایک وقت مزید شدت اختیار لیتا ہے اور اس کا اظہار بھی پیٹرک کی طرف سے اس وقت ہوتا ہے جب وہ وکٹوریا کو بتاتا ہے کہ وہ ہندوستانیوں سے خود کو کیسے ممتاز اور الگ تھلک رکھتے ہیں۔ وہ بتاتا ہے:

If we didn't wear topis.. unless I'm angry. (16)

''اگر ہم ٹوپی نہیں پہنتے تو لوگ ہمیں (Wogs) سمجھیں گے۔ مجھے نہیں۔ میری تو زردنیلی آنکھیں ہیں تقریباً سبزی مائل۔ اور میرے بال بھی سرخ ہیں۔ لیکن ہم میں سے اکثر (ایسے نہیں ہیں)۔۔۔۔ ہم ایسے نظر نہیں آتے جیسے کہ ہم ہیں۔ اینگلو انڈینز، یوروایشینز، چی چیز، ہاف کاسٹ، آٹھ آنہ، بلیکی وائٹ۔ میں نے یہ تمام نام سن رکھے ہیں جن سے وہ ہمیں پکارتے ہیں، لیکن میں ان کے متعلق ایسا نہیں سوچتا جب تک کہ غصے میں نہ ہوں۔''

پیٹرک کے کردار کے حوالے سے اہم اور غور طلب پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اس بات سے باخبر ہے کہ وہ تفاخر جس کا وہ اظہار کرتا ہے وہ بھی اس اینگلو انڈینز کمیونٹی کے بطور نمائندہ کے ہے جو اپنی حقیقت کو سمجھنے اور پھر اسے

تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔ایسی ہی کچھ صورت حال کو مابعد نو آبادیاتی اصطلاح میں (mimicry) نقالی کہا جاتا ہے جس کا ذکر اکثر V.S. Naipal وی ایس نائپال کے ساتھ ساتھ مشہور مابعد نو آبادیاتی ثقافتی نقاد ہومی کے بھابھا Homi K Bhaba نے کیا جس پر تفصیلی بحث Justin D. Edward نے اپنی مشہور کتاب Post Colonial Literature, A Reader's Guide: Macmillan, New York (2008) میں صفحہ 146 پر کی ہے۔اور بتایا ہے کہ (mimicry نقالی) استحضار کے بجائے تکرار پر زور دیتی ہے اور اس تکرار کے عمل میں اپنی اصلیت کھو کر مرکزیت سے لامرکزیت کی جانب گامزن ہو جاتی ہے اور جو کچھ باقی بچتا ہے وہ صرف اور صرف مصنوعی پن اور ملاوٹ زدہ چیز ہوتی ہے۔(۱۷)

اسی طرح خود پیٹرک کا کردار بھی نو آبادکاروں یا حاکموں کی نقالی کرتے ہوئے اور ان کا سوانگ بھرتے ہوئے واضح طور پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ بھی کچھ الفاظ یا محاورات کی تکرار کر رہا ہے خاص طور پر اس کا ہندوستانیوں سے بار بار اس تضحیک آمیز لفظ Wogs سے مخاطب ہونا اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ سفید فام آقاؤں جیسا مصنوعی روپ دھار کر ان کی ناکام نقالی کی کوشش کر رہا ہے کیوں کہ اسے اس بات کا علم نہیں کہ اس کی طرح کی نقالی کا انجام محض ناکامی ہی ہے مگر وہ سختی سے اس قسم کے جھوٹے تکرار کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور اس کا یہی عمل اسے دوغلی نسل سے ہونا جاگر کرتا ہے۔پیٹرک چونکہ دو شناختوں کے درمیان پھنسا ہوا ہے یعنی ایک طرف انگریز انہیں اپنا کہنے سے انکاری ہےں اور دوسری طرف ہندوستانی ہونا خود انہیں ناپسند ہے کیوں کہ اس نے ہمیشہ خود کو ہندوستانی کہلوانے سے اعراض برتا ہے اور نو آبادیاتی حاکموں کا گرویدہ رہا ہے مگر اب اسے یہ فکر لاحق ہے کہ انگریزوں کے ہندوستان چھوڑنے کے بعد ان کا مستقبل کیا ہوگا۔اسی خدشے کا اظہار حسب ذیل سطور میں کیا گیا ہے۔

An Indian government .... Of course not (18)

جلد ایک ہندوستانی حکومت قائم ہو جائے گی تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ بھی اینگلو انڈینز کی تعلیم کے لیے خصوصی امداد جاری رکھے گی؟ ہر گز نہیں!

اس بات کا بھی انہیں یقین ہے کہ انگریز حاکم اب رخصت ہو جائیں گے اور ہمیں ان ہندوستانیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ جائیں گے۔

The English would go any time now and leave us to the wogs. (19)

انگریز اب کسی بھی وقت رخصت ہو جائیں گے اور ہمیں ان wogs کے سپرد کر جائیں گے۔ایسے میں وہ اس طبقے کو اپنے حقوق کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کا مشورہ دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ اگر وہ خود اپنی فکر نہیں کریں گے تو دوسرا کوئی ان کے بارے میں نہیں سوچے گا۔

If we didn't... none else was.
(20)

''اگر ہم اپنے لیے کھڑے نہیں ہوں گے تو کوئی دوسرا نہیں ہوگا۔اگر ہم خود دلچسپی نہیں لیں گے تو کوئی دوسرا بھی نہیں لے گا۔''

اسی پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے جب ہم اس ناول کے سب سے اہم اور مرکزی کردار یعنی وکٹوریا جونز کو دیکھتے ہیں تو اینگلو انڈین کمیونٹی کو اس مشکل گھڑی میں دستیاب ممکنہ آپشنز یاراہیں اسی کے کردار کے ذریعے ہمارے سامنے آتی ہیں اور یہ ممکنات چار بیان کرنے والوں کے ذریعے سامنے آتے ہیں اور اس طرح اس ناول کے پلاٹ کی جزوی تقسیم بھی اسی پیٹرن پر ہوتی ہے۔یوں ناول چار حصوں میں اسی کرداری مناسبت سے منقسم ہے۔ ان کرداروں میں سے دو کردار اینگلو انڈینز(وکٹوریہ جونز/پیٹرک ٹیلر)ہیں اور ان کے ساتھ ایک انگریز کردار روڈنی ساویج (Rodney Savage) ہے جبکہ ہندوستانی کرداروں میں سردارنی کا بیٹا رنجیت سنگھ Ranjith Singh شامل ہے۔

جب وکٹوریا دہلی سے واپس آتی ہے تو وہ فیصلہ کرتی ہے کہ اسے اپنے بوائے فرینڈ پیٹرک سے نجات حاصل کرنی ہے کیونکہ اس کی شخصیت کی ناقص تعمیر میں اینگلو انڈین اسٹیریو ٹائپ کرداروں کی غیر یقینی کا بہت بڑا ہاتھ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انگریزوں جیسا بننے کی اور ان جیسا دکھائی دینے کی کوشش ضرور کرتا ہے مگر اس کے اندر احساسِ کمتری کے ساتھ ساتھ انگریزوں اور ہندوستانیوں دونوں کے لیے ہی غصہ اور نفرت موجود ہے اور اس کی یہ کیفیت ناول کے اختتام تک ہمارے سامنے ہے ایسی ہی صورت حال میں مقامی معاشرت کا انجذاب وکٹوریہ کے کردار میں کچھ اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سردارنی Sirdarni Amrita Kasal کے اثرات کو قبول کرتی ہے اور اس سے بے حد متاثر دکھائی دیتی ہے اور وہ اسے اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ وہ ہندوستان کو اپنا ہی گھر سمجھے اور خود کو ہندوستانی سمجھے تو وہ ان کا کسی بھی حد تک ساتھ دیں گے۔

They would .... was Indian. (21)

اس کے ساتھ اس کے اندر یہ احساس بھی اجاگر کرتی ہے کہ انگریز ان سے نفرت کرتے ہیں اور کسی بھی صورت ان جیسے لوگوں کو اپنے ساتھ نہیں ملائیں گے جیسا کہ حسب ذیل سطور میں یہی رویہ ہمارے سامنے آتا ہے۔

See that (she is) Indian .... in any case. (22)

پھر وہ وکٹوریا کو خبردار بھی کرتی ہے کہ آزاد ہندوستان میں اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جائے گا کہ اینگلوانڈینز کس قسم کے ہندوستانی تھے اور یہ جملے نہ صرف وکٹوریا بلکہ تمام اینگلوانڈینز کمیونٹی کے لیے چشم کشا ہیں۔ سردارنی کہتی ہے:

We're going to make .... proud of wearing. (23)

''ہم آپ کو یہ احساس دلانے جارہے ہیں کہ آپ بھی ہندوستانی ہو مگر کم درجے کے ہندوستانی ہو، ممکنہ طور پر غیر وفادار ہندوستانی، کیونکہ تم نے سو سال انگریزوں کے جوتے چاٹنے اور ہندوستانیوں کو انہی جوتوں کے ساتھ مارنے میں گزارے ہیں تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ تم ایک ہندوستانی ہو اور انہیں کی طرح سب کچھ کرتے ہو۔''

اس کے بعد وکٹوریہ جب انگریز افسر میکالے (Macualay) جو کہ اس کی عزت لوٹنے کی کوشش کرتا ہے اسے مدافعت کرتے ہوئے قتل کر ڈالتی ہے تو پھر بھی سردارنی اس کی ہمت بندھاتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ اب ہم اس قابل ہیں کہ آپ کا تحفظ کر سکیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور ہم خود بھی آپ لوگوں کو ہندوستانی ہی سمجھتے ہیں:

You are Indian .... to no harm. (24)

محولہ بالا سطور میں بھی اسے بالخصوص اور پوری اینگلوانڈین کمیونٹی کو بالعموم یہ یقین دلایا جارہا ہے کہ ہم نہ صرف آپ کو ہندوستانی سمجھتے ہیں بلکہ آپ لوگوں کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچنے دیں گے۔ اسی وجہ سے وکٹوریا کے اندر تحفظ ذات کا احساس پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے والد کو بتاتی ہے کہ اس نئے ہندوستان New India میں ہم ایسے ادھورے ہندوستانیوں کے لیے کوئی محفوظ جگہ نہیں ہے۔

There is not .... half Indians.

اسی لیے اگرچہ وہ خود کو مکمل ہندوستانی "a whole Indian" نہیں بنا سکتی مگر وہ ساتھ ہی یہ دکھانے کی کوشش بھی ضرور کرتی ہے کہ وہ "مکمل انگریز "Whole English" بھی نہیں ہے اسی حوالے سے وہ پیٹرک کو بھی خبردار کرتی ہے اور ساتھ ہی اسے بھی از سر نو اپنی شناخت پر غور کرنے کا کہتی ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ وہ ایسے ہی پیش آمدہ خطرے کو بھانپتے ہوئے اپنے مستقبل کو محفوظ بنانے کے لیے ہندوستانی کردار یعنی سردارنی امرتا کے بیٹے رنجیت سنگھ کے ساتھ راہ ورسم کو فروغ دیتی ہے کہ مستقبل کے نئے ہندوستان میں اس کی ادھوری شناخت اس رشتے کو مستحکم کرنے سے مکمل ہو جائے گی۔اسی لیے وہ جب رنجیت سنگھ کے ساتھ باہر جاتی ہے تو خود کو مکمل ہندوستانی دکھانے کے لیے ساڑھی پہنتی ہے۔رنجیت کی والدہ امرتا کے سامنے جب وہ ہندوستانی روایتی لباس ساڑھی پہن کر آتی ہے تو اس کے سامنے آئینہ رکھ دیتی ہے اور یوں آئینے میں اپنی تصویر دیکھ کر اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس نے ہندوستانی شناخت کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ناول کی سطور میں اس کا تذکرہ کچھ یوں ملتا ہے:

It was me, ... the Anglo-Indian. (25)

'یہ میں ہی تھی مگر آئینے میں دکھائی دینے والی شخصیت مجھ سے زیادہ خوبصورت تھی۔وہ اس لباس میں کوئی ہندوستانی خوبصورت لڑکی تھی۔میں ایمانداری کے ساتھ اس کی اس طرح ستائش کر سکتی تھی جیسے کہ وہ لڑکی خود وکٹوریا جونز اینگلوانڈین کے بجائے ہندوستان کی گلیوں میں گھومنے والی کوئی دوسری (مقامی) لڑکی تھی۔''

مذکورہ بالا سطور میں وکٹوریا پہلے اقرار کرتی ہے کہ میں خود ہی آئینے میں نظر آرہی تھی مگر اس دفعہ ہندوستانی بن کر زیادہ خوبصورت تھی لیکن اس کے بعد والا جملہ بھی معنی کے اعتبار سے خاصا اہم ہے کہ جب وہ کہتی ہے کہ آئینے میں خود وہ نہیں بلکہ کوئی اور ہندوستانی لڑکی تھی۔یوں وہ اپنی اینگلوانڈین شناخت کا بھی انکار کرتی ہے اس سے ایک اور بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ اس سارے منظر نامے میں سردارنی ایک موثر کردار کے طور پر ابھرتی ہے جو کہ وکٹوریا کی ہندوستانی شناخت کے مفروضے کو بھرپور حمایت دیتی ہے۔

لیکن پھر ہم دیکھتے ہیں کہ وکٹوریا کے خود کو ہندوستانی نظر آنے کے احساس میں دراڑ پڑنا شروع ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اس لباس میں خود کو آرام دہ محسوس نہیں کرتی جیسا کہ اسے اس لباس میں تیز چلنے اور اپنی ڈیوٹی سرانجام دینے میں رکاوٹ محسوس ہوتی ہے یا دوسرے لفظوں میں یہ لباس اسے ایسے ماحول میں لے جاتا ہے؛ جو اس کے لیے اجنبی ہے اور اسے خوفزدہ کر دینے والا ہے۔

It carries her to a place that was foreign and frightening. (26)

جب سر دارنی کے بیٹے رنجیت کے ساتھ ساڑھی پہنے وہ باہر نکلتی ہے تو اسے اپنی منزل قریب دکھائی دیتی ہے اور وہ احساسِ فتح و کامرانی سے سرشار دکھائی دیتی ہے مگر پھر اچانک وہ رنجیت کے ساتھ بیٹھے ہوئے خود کو مجرم محسوس کرتی ہے اور اس کا یوں ہندوستانی بن کر گھومنے کی کوشش کرنا محض ایک ناکام نقالی دکھائی دیتا ہے کیوں کہ اگرچہ رنجیت اور اس کی والدہ کچھ زیادہ مذہبی لوگ نہیں ہیں مگر پھر بھی اس کی سکھ مذہب کے ساتھ وابستگی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باوجود کہ وہ وکٹوریا سے جلد از جلد شادی کرنا چاہتا ہے مگر ساتھ ہی اسے وکٹوریا نام پسند نہیں اور وہ اس نام کو تبدیل کرنا چاہتا ہے صرف اس لیے کہ ایک ہندوستانی کے لیے وکٹوریا جیسا انگریزی نام اچھا نہیں ہے۔

Victoria is not a good name for an Indian. (27)

پھر وہ لمحہ آ پہنچتا ہے جب ان دونوں کے درمیان تعلقات مرحلہ انقطاع پر آ پہنچتے ہیں اور یہ وہ لمحہ ہے جب رنجیت اسے سکھ مذہب اپنانے کے لیے آمادہ کرتا ہے اور تقریب کا انعقاد کرتا ہے تاکہ اس کے نام کی تبدیلی کی جا سکے۔ ایسے میں وکٹوریا گھبرا کر وہاں سے بھاگ نکلتی ہے اور وہ اصرار کرتی ہے کہ اس کا نام تو وکٹوریا جونز ہی ہے اور اس کی معاشرتی حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک چھیچی انجن ڈرائیور کی بیٹی ہے۔

(her name is) Victoria .... driver's daugher. (28)

اس واقعے سے ہمیں یہ بھی پتا چلتا ہے کہ تہذیبی بحران کے اس مرحلے میں جس فریق کا پلڑا بھاری ہوتا ہے وہ دوسرے پر حاوی ہو کر اسے اپنی گرفت میں لینے کی پوری کوشش کرتا ہے خواہ وہ مقامی ہو یا غیر مقامی۔ اس ناول میں بادی النظر میں کچھ ایسا ہی وقوع پذیر ہوتا ہے کہ ایک مقامی کردار ایک دوسرے غیر مقامی کردار کو اپنے مکمل دباؤ میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔ نو آبادیاتی نظام کے اہم اثرات میں سے ایک اہم پہلو بھی یہی ہوتا ہے کہ نو آبادکار یا حاکم محکوموں کی انفرادیت ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی تہذیبی شناخت کو بھی مٹانے کی کوشش کرتے ہیں اس مقصد کے لیے وہ نو آبادیاتی معاشروں کی تہذیبی جڑیں کاٹ کر وہاں کے لوگوں کی ذہنی تبدیلی کا عمل بروئے کار لاتے ہیں اور یہ عمل دو طرفہ ہوتا ہے۔

اس ناول میں بھی تبدیلی کا عمل وقوع پذیر ہوتا ہے مگر اس کے نتائج مختلف سامنے آتے ہیں کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وکٹوریا ایک انگریز کردار سے بھی دور ہو جاتی ہے اور مقامی کردار سے بھی اسے نباہ مشکل نظر آتا ہے۔ قاری کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ تو انگریز کے ساتھ خوش اور مطمئن رہ سکتی ہے اور نہ ہی کسی ہندوستانی کے

ساتھ۔ بلکہ اس کا موزوں ساتھی اس کی اپنی نسل کا اینگلوانڈین ہی ہو سکتا ہے۔ اور یہی وہ لمحہ انکشاف ہے جب وکٹوریا اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ اس کی شناخت نہ انگریز بننے سے تکمیل پذیر ہوتی ہے اور نہ بطور ہندوستانی۔ بلکہ اس کی شناخت صرف اور صرف ایک حقیقی اینگلوانڈین ہونے میں ہی مضمر ہے اس طرح ناول کے مصنف نے اینگلوانڈینز کرداروں کے اذہان میں اس پہلو کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ مستحکم کرنے کی کوشش بھی کی ہے کہ وہ بغیر کسی خوف، خدشے اور کمتری کے احساس کے اپنی اصل شناخت کے ساتھ بخوبی زندگی بسر کر سکتے ہیں انہیں کسی بھی دوسری مصنوعی شخصیت کا سہارا لینے یا اس کا لبادہ اوڑھنے کی ضرورت ہر گز نہیں۔ اس طرح مصنف اینگلو انڈین کمیونٹی کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنے کے علاوہ ان میں اطمینان اور ہم آہنگی کی فضا پیدا کرنے کی سعی کرتے بھی نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات

(1) Government of India, Act, 1935

(2) The Constitution of India, 1950, ...Art: 366, Sec:2, Govt of India, 1963,p:201

(3) D'Souza, A. A. in younger, C. 1984

(4) Gaikwad, V. R. in younger, C. 1984

(5) Gaikwad, V. R. The Anglo Indians: Asia Publishing House London, 1967, p:4

(6) Eric, Erikson, Theory of Stages of Psycho-social Delvelopment, Norton, Newyork, 1950

(7) Gist, N. P. 1973

(8) Gist, N. P. 1972

(9) Anthony, Frank,Britain's Betrayal in India: The story of Anglo-Indian Race, Allied Press Bombay, 1969, p:394-395

(10) John Masters, Bhowani Junction, Penguin Books, New Delhi, 2007, p:25

(11) Bhowani Junction, p:9

(12) Bhowani Junction, p:10

(13) Bhowani Junction, p:12
(14) Bhowani Junction, p:27-28
(15) Bhowani Junction, p:10
(16) Bhowani Junction, p:14
(17) Justin D, Edward, Post Colonial Literature, A Reader's Guide; Macmillan, New York 2008, p:140
(18) Bhowani Junction, p:28
(19) Bhowani Junction, p:28
(20) Bhowani Junction, p:25
(21) Bhowani Junction, p:144
(22) Bhowani Junction, p:143
(23) Bhowani Junction, p:143
(24) Bhowani Junction, p:144
(25) Bhowani Junction, p:144
(26) Bhowani Junction, p:303
(27) Bhowani Junction, p:204
(28) Bhowani Junction, p:258